بحث ونظر

مابعد جدیدیت کا چیلنج اور تحریکِ اسلامی

انجینیر سید سعادت اللہ حسینی

تحقیقات اسلامی کے لیے یہ ایک نیا موضوع ہے، اس سے دل چسپی رکھنے والے اصحاب علم سے درخواست ہے کہ وہ اس پر اظہار خیال فرمائیں اور تحقیقاتِ اسلامی کے قارئین کو استفادہ کا موقع فراہم کریں (جلال الدین)

پوسٹ ماڈرن ازم جسے اردو میں مابعد جدیدیت یا پس جدیدیت کہا جاتا ہے، در اصل جدیدیت یا ماڈرن ازم کے رد عمل کا نام ہے۔ اس لئے اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ماڈرن ازم کو سمجھا جائے۔

جدیدیت (Modernism) کیا ہے؟

جدیدیت دراصل ان نظریاتی، تہذیبی، سیاسی اور سماجی تحریکوں کے مجموعہ کا نام ہے جو سترہویں اور اٹھارویں صدی کے یوروپ میں روایت پسندی (Traditionalism) اور کلیسائی استبداد کے رد عمل میں پیدا ہوئیں۔

یہ وہ دور تھا، جب یوروپ میں کلیسا کا ظلم اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ تنگ نظر پادریوں نے قدیم یونانی فلسفہ اور عیسائی معتقدات کے امتزاج سے کچھ خود ساختہ نظریات قائم کر رکھے تھے اور ان نظریات کے خلاف اٹھنے والی کسی بھی آواز کو مذہب کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ شاہی حکومتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے انہوں نے ایک ایسا استبدادی نظام قائم کر رکھا تھا جس میں کسی بھی آزاد علمی تحریک کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

دوسری طرف اسپین کی اسلامی تہذیب کے ساتھ طویل تعامل کی وجہ سے عیسائی دنیا میں بھی حریت فکر کی ہوائیں آنے لگی تھیں۔ قرطبہ اور غرناطہ میں حاصل شدہ تجرباتی سائنس کے درس رنگ لا رہے تھے۔ اور یوروپ کے سائنس داں آزاد تجربات کرنے

لگے تھے۔ حریت انسانی اور مساوات کی اسلامی اسپرٹ کے اثرات نے جنوبی اٹلی اور صقلیہ میں انسانیات (Humanism) کی جدید تحریکیں پیدا کی تھیں۔[۱]

ان سب عوامل نے مل کر کلیسا کے استبداد کے خلاف شدید ردعمل پیدا کیا اور جدیدیت کی تحریک شروع ہوئی۔ چونکہ اس تحریک سے قبل یوروپ میں شدید درجہ کی دقیانوسیت اور روایت پرستی کا دور دورہ تھا، اس لیے اس تحریک نے پورے عہدِ وسطیٰ کو تاریک دور قرار دیا۔ مذہبی عصبیتوں، روایت پسندی اور تنگ نظری کے خاتمہ کو اپنا اصل ہدف بنایا۔ شدید ردعمل نے اس تحریک کو دوسری انتہا پر پہنچا دیا اور روایت پرستی اور عصبیت کے خلاف جدوجہد کرتے کرتے یہ تحریک مذہب اور مذہبی معتقدات ہی کے خلاف ہوگئی۔

جدیدیت کی اس تحریک کی نظریاتی بنیادیں فرانسس بیکن[۲]، رین ڈیکارٹ[۳]، تھامس ہوبس[۴]، وغیرہ مفکرین کے افکار میں پائی جاتی ہیں، جن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ دنیا اور کائنات عقل، تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ قابل دریافت (Deterministic) ہے اور اس کے تمام حقائق تک سائنسی طریقوں سے رسائی ممکن ہے۔ اس لیے حقائق کی دریافت کے لیے کسی اور سرچشمہ کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کا وجود ہے۔ صرف وہی حقائق قابلِ اعتبار ہیں جو عقل، تجربہ اور مشاہدہ کی مذکورہ کسوٹیوں پر کھرے ثابت ہوں۔ ان فلسفیوں نے مابعد الطبیعیاتی حقائق (Metaphysics) اور مذہبی دعوؤں کو اس وجہ سے قابل رد قرار دیا کہ وہ کسوٹیوں پر نہیں اترتے۔ ڈیکارٹ نے "I think therefore I am" (میں سوچتا ہوں، اس لئے میں ہوں) کا مشہور اعلان کیا جو جدید مغربی فلسفہ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خودی کا شعوری عمل (Conscious Act of Ego) سچائی تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔

پاسکل، مانٹسکیو، ڈیڈارٹ، وسلی، ہوم، والٹیر جیسے مفکرین نے بھی عقل کی لامحدود بالادستی اور واحد سرچشمۂ علم ہونے کے اس تصور کو عام کیا۔ یہ افکار عقلیت (Rationalism) کہلاتے ہیں اور جدیدیت کی بنیاد ہیں۔ چنانچہ جدیدیت کی تعریف ہی یوں کی گئی ہے:

"The enlightenment-humanist rejection of tradition and authority in favour of reason and natural science. This is founded upon the assumption of the autonomous individual as the sole source of meaning and truth--the Cartesian cogito."[۵]

(انسان پرست روشن خیالی کی جانب سے روایت اور اتھاریٹی کا عقل اور طبعی سائنس کے حق میں انکار، جس کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ خودمختار فرد (کی عقل) ہی معنی اور سچائی کا واحد سرچشمہ ہے۔)

اس تحریک نے مذہبی محاذ پر الحاد اور تشکیک کو جنم دیا۔ والٹیر[۶] اور ڈیدراٹ جیسے الحاد کے علمبرداروں نے مذہب کا کلیتًا انکار کر دیا۔ جبکہ ہیگل جیسے متشکک (Antagonist) مذہب کو تسلیم تو کرتے ہیں، لیکن اسے عقل کے تابع بناتے ہیں۔ اور مذہبی حقائق کو بھی دیگر عقلی مفروضات کی طرح قابل تغیر قرار دیتے ہیں۔

سیاسی محاذ پر اس تحریک نے انسانی حریت کا تصور پیش کیا۔ آزادئ فکر، آزادئ اظہار، اور حقوق انسانی کے تصورات عام کیے۔ تھومس ہابس نے حتمی اقتدار اعلیٰ (Absolute Sovereign) کے تصور کو سیاسی فلسفہ کی بنیاد قرار دیا۔ جان لاک نے اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے عوام کو اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ قرار دیا۔ والٹیر نے انسانی حریت کا تصور پیش کیا۔ مانٹسکیو[۷] اور روسو[۸] نے ایسی ریاست کے تصورات پیش کیے جس میں انسانوں کی آزادی اور ان کے حقوق کا احترام کیا جاتا ہے اور حکمرانوں کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔

جدیدیت کی تحریک نے قوم پرستی اور قومی ریاستوں کا تصور بھی عام کیا۔ انہی افکار کے بطن سے جدید دور میں جمہوریت نے جنم لیا۔ اور یوروپ اور شمالی امریکہ کے اکثر ملکوں میں خودمختار جمہوری قومی ریاستیں قائم ہوئیں۔

معاشی محاذ پر اس تحریک نے اول تو سرمایہ دارانہ معیشت اور نئے صنعتی معاشرہ کو جنم دیا جس کی بنیاد آدم اسمتھ (Adam Smith) کی معاشی فکر تھی جو صنعت کاری، آزادانہ معیشت اور کھلے بازار کی پالیسیوں سے عبارت تھی[۹]۔ نئے صنعتی معاشرہ

میں جب مزدوروں کا استحصال شروع ہوا تو جدیدیت ہی کے بطن سے مارکسی فلسفہ پیدا ہوا، جو ایک ایسے غیر طبقاتی سماج کا تصور پیش کرتا تھا، جس میں محنت کش کو بالادستی حاصل ہو۔ ۱۰

اخلاقی محاذ پر اس تحریک نے افادیت (Utilitarianism) کا تصور عام کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اخلاقی قدروں کا تعلق افادیت سے ہے۔ جو رویے سماج کے لیے فائدہ مند ہیں، وہ جائز رویے اور جو سماج کے لیے نقصان دہ ہیں، وہ ناجائز رویّے ہیں۔ اور یہ کہ افادیت اخلاق کی واحد کسوٹی ہے۔ افادیت کے تصور نے قدیم جنسی اخلاقیات اور خاندان کے روایتی ادارہ کی افادیت کو چیلنج کیا، جس کے نتیجہ میں جدید اباحیت (Permissiveness) کا آغاز ہوا۔

جدیدیت ہی کے بطن سے نئے صنعتی معاشرہ میں نسائیت (Feminism) کی تحریک پیدا ہوئی۔ جو مرد و زن کی مساوات کی علم بردار تھی اور عورتوں کو ہر حیثیت سے مردوں کے مساوی مقام دلانا اس کا نصب العین تھا۔

انقلابِ فرانس، برطانیہ میں جمہوریت کی تحریک، امریکہ کی آزادی کی تحریک اور اکثر یوروپی ممالک کی تحریکیں جدیدیت کے ان افکار ہی سے متاثر تھیں۔ بیسویں صدی کے آتے آتے یوروپ اور شمالی امریکہ کے اکثر ممالک ان افکار کے پرجوش مبلغ اور داعی بن گئے۔ جدیدیت کو روشن خیالی (Enlightenment) اور نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نام بھی دیئے گئے اور بڑی طاقتوں کی پشت پناہی سے روشن خیالی کا پروجکٹ ایک عالمی پروجکٹ بن گیا۔

چنانچہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں مغربی ممالک کا واحد نصب العین تیسری دنیا میں روایت پسندی سے مقابلہ کرنا اور جدیدیت کو فروغ دینا قرار پایا۔ آزادی، جمہوریت، مساواتِ مرد و زن، سائنسی طرزِ فکر، سیکولرزم وغیرہ جیسی قدروں کو دنیا بھر میں عام کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ معاشی فکر کے معاملہ میں مغرب سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ بلاکس میں ضرور منقسم رہا، لیکن سیاسی، سماجی اور نظریاتی سطح پر جدیدیت کے افکار بالاتفاق جدید مغرب کے رہنما افکار بنے رہے، جن کی دنیا بھر میں اشاعت اور نفاذ کے لیے ترسیل

واشاعت کے علاوہ ترغیب وتنفیذ کے تمام جائز وناجائز طریقے اختیار کیے گئے۔ تیسری دنیا میں ایسے پٹھو حکمرانوں کو بٹھایا گیا جو عوام کی مرضی کے خلاف زبردستی ترقی کے جدید ماڈل ان پر تھوپنے پر مامور رہے۔ اسلامی دنیا میں خصوصاً اسلامی تہذیبی روایات کی بیخ کنی کو جدیدیت کا اہم ہدف سمجھا گیا۔ ترکی، تیونس اور سابق سوویت یونین میں شامل وسط ایشیا کے علاقوں میں تو سیکولرزم اور مذہبی روایات سے مقابلہ کے لیے ایک سخت ظالمانہ اوراستبدادی نظام قائم کیا گیا۔

پوسٹ ماڈرن ازم کیا ہے؟

سطور بالا میں جدیدیت (ماڈرن ازم) کا کسی قدر جائزہ لیا گیا ہے۔ جدیدیت کے علم برداروں نے اپنے مخصوص افکار پر جس شدومد کے ساتھ اصرار کیا اوران کی تنفیذ کے لئے جس طرح طاقت اور حکومت کا بے دریغ استعمال ہوا اس نے فکری استبداد کی وہی صورت حال پیدا کردی، جو عہد وسطیٰ کے یورپ میں مذہبی روایت پسندی نے پیدا کی تھی اورجس کے ردعمل میں جدیدیت کی تحریک برپا ہوئی تھی۔ اس استبداد کا لازمی نتیجہ شدید ردّ عمل کی شکل میں رونما ہوا۔ اور یہی ردعمل مابعد جدیدیت یا پس جدیدیت (Post Modernism) کہلاتا ہے۔

پوسٹ ماڈرن ازم ان افکار کے مجموعہ کا نام ہے جو ماڈرن ازم کے بعد اوراکثر اس کے ردعمل میں ظہور پذیر ہوئے۔ پوسٹ ماڈرنسٹ نہ تو کسی منظّم نظامِ فکر کے قائل ہیں اور نہ منظّم تحریکوں کے۔ اس لیے یہ فکر کمیونزم یا جدیدیت کی طرح کوئی مبسوط یا منظّم فکر نہیں ہے۔ اور نہ اس کی پشت پر کوئی منظّم تحریک ہی موجود ہے۔ بلکہ پوسٹ ماڈرنسٹ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پوسٹ ماڈرن ازم کسی نظریہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اُس عہد کا نام ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور اُن کیفیتوں کا نام ہے جو اس عہد کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اظاہر ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے اور چونکہ وہ اپنے خیالات کی تائید میں کتابیں لکھ رہے ہیں، فلسفیانہ مباحث چھیڑ رہے ہیں اور بحثیں کررہے ہیں اس لیے دنیا ان کے خیالات کوایک آئیڈیالوجی ماننے پر مجبور ہے۔

اکثر امور میں پوسٹ ماڈرنسٹ مفکروں میں اتفاق رائے بھی نہیں ہے اور علمی حلقوں میں یہ اصطلاح مختلف معنوں میں استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس لیے اس کی تعریف بیان کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ تاہم بعض خیالات پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین میں مشترک بھی ہیں اور یہی مشترک فکر ان کا امتیاز ہے۔ لیوٹارڈ، جس کا اس فکر کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے، اس نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

I define Postmodernism as incredulity towards meganarratives.[۱۲]

(میرے نزدیک پوسٹ ماڈرن ازم کا مطلب ہے لمبے چوڑے بیانات پر عدم یقین۔)

پوسٹ مادرنسٹ کہتے ہیں کہ ماڈرن ازم نے عقل کی بالاتری، آزادی، جمہوریت، ترقی، آزاد بازار اور مارکسزم جیسے خیالات عالم گیر سچائیوں کی حیثیت سے پیش کئے۔ یہ ایک کھلا فریب تھا۔ زمانہ کے امتداد نے ان ساری خودساختہ حقیقتوں کا جھوٹ واضح کر دیا ہے، اس لیے اب اس عہد میں اس طرح کے عظیم بیانات (Meganarratives) نہیں چلیں گے۔ یہ اس عہد کا خاصہ ہے۔ اس میں جدیدیت کے تمام دعوؤں کی عمارت ڈھا دی گئی ہے ۔ اور اس عہد کی یہ خصوصیت ہی پوسٹ ماڈرن ازم ہے۔[۱۳]

سچائی کی اضافت کا نظریہ

پوسٹ ماڈرن ازم کا خیال ہے کہ دنیا میں کسی آفاقی سچائی کا وجود نہیں ہے۔ بلکہ آفاقی سچائی کا تصور ان کے نزدیک محض ایک خیالی تصور (Utopia) ہے۔ ماڈرن ازم کے علم برداروں کا خیال ہے کہ جمہوریت، آزادی و مساوات، سرمایہ دارانہ نظام معیشت (یا کمیونسٹوں کے نزدیک کمیونزم) اور ٹکنالوجیکل ترقی وغیرہ پر مبنی جو ماڈل یورپ میں اختیار کیا گیا، اس کی حیثیت ایک عالمی سچائی کی ہے اور ساری دنیا کو اپنی روایات چھوڑ کر ان عالمی سچائیوں کو قبول کرنا چاہیئے۔ چنانچہ بیسویں صدی میں ساری دنیا کو ماڈرنائز کرنے یا جدید بنانے کا پروجکٹ شروع ہوا۔ روایتی معاشروں سے کہا گیا کہ وہ صنعتیں قائم کریں، شہر بسائیں، آزادی کی قدروں کو نافذ کریں، جمہوری طرز حکومت

اپنائیں، جدید ٹکنالوجی کو اختیار کریں اور اس طرح جدید بنیں کہ فلاح و ترقی کا یہی واحد راستہ ہے۔ پوسٹ ماڈرنسٹ دوسری انتہا پر جا کر عالمی یا آفاقی سچائی کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک چاہے سچائی ہو یا کوئی اخلاقی قدر، حسن وخوبصورتی کا احساس ہو یا کوئی ذوق، یہ سب اضافی (Relative) ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق انفرادی پسند و ناپسند اور حالات سے ہے۔ یعنی ایک ہی بات کسی مخصوص مقام پر یا مخصوص صورتوں میں سچ اور دوسری صورتوں میں جھوٹ ہوسکتی ہے۔ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ہمیشہ اور ہر مقام پر سچ ہو۔ ورلڈ ویو (World view) سچائی کی پیداوار نہیں ہوتا بلکہ طاقت کی لڑائی میں محض ایک ہتھیار ہوتا ہے۔ لوگوں نے دنیا پر حکومت کرنے اور عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اپنے من پسند خیالات کو عالم گیر سچائیوں کے طور پر ان پر مسلّط کیا ہے۔ اس طرح وہ کیپٹلزم، ڈیموکریسی اور کمیونزم وغیرہ جیسے نظریات کے سخت ناقد ہیں، جو اپنے خیالات کو عالم گیر سچائی کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مذہبی عقائد اور تصورات کے بھی منکر ہیں کیونکہ مذاہب کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ان کے معتقدات کی حیثیت اٹل حقائق کی ہے۔[۱۴]

اس نظریہ کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہے کہ صدیوں کی علمی جستجو کے باوجود انسانی ذہن کسی ایک سچائی پر متفق نہیں ہوسکا۔ آج بھی صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اطراف کئی ایک اور بسا اوقات باہم متضاد سچائیاں (یعنی سچ کے دعوے) پائی جاتی ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم سچائی سے متعلق اپنے نقطۂ نظر ہی کو بدلیں اور یہ مانیں کہ سچائی نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ سچائی محض ہمارے مشاہدہ کا نتیجہ ہوتی ہے اور مشاہدہ ہمارے ذہن کی تخلیق۔ سچائی کی تلاش نہیں، بلکہ سچائی کی تشکیل ہوتی ہے۔ حالات کے مطابق ہمارا ذہن سچائی کی تخلیق کرتا ہے۔ اور چونکہ بیک وقت ایسی کئی تخلیقات ممکن ہیں اس لیے یہ ماننا چاہیے کہ کوئی بھی تخلیق حتمی نہیں ہے۔

پوسٹ ماڈرنسٹ سائنس کو بھی حتمی سچائی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لیوٹارڈ لکھتا ہے۔

There is a strong interlinkage between the kind of language called science and the kind called ethics and politics.and this interlinkage constitutes the cultural perspective of the west.[۱۵]

(اُس زبان میں جسے سائنس کہا جاتا ہے اور اُس زبان میں جسے اخلاقیات اور سیاسیات کہا جاتا ہے گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق ہی مغرب کے تہذیبی نقطہ نظر کی تشکیل کرتا ہے۔)

یعنی سائنس بھی مغرب کی سیاست اور اخلاقی فلسفوں سے آزاد نہیں ہے۔

وہ مزید کہتا ہے:

While science has sought to distinguish itself from narrative knowledge in the form of tribal wisdom communicated through myths and legends, modern philosophy has sought to provide legitimating narratives for science in the form of "the dialectics of Spirit, the hermeneutics of meaning, the emancipation of the rational or working subject, or the creation of wealth.[۱۶]

(گرچہ سائنس نے ، اُس بیانیہ علم سے خود کو میّز کرنا چاہا ہے جو قبائلی حکمت کی صورت میں داستانوں اور دیو مالاؤں کے ذریعہ منتقل ہوتا رہا، لیکن جدید فلسفہ نے سائنس کو بھی 'بعض جائز بیانیے' (یا جائز دیو مالائیں) روح کی جدلیات، معنوں کی ہرمینیات، عقل کی بالا دستی اور دولت کی تخلیق جیسے تصورات کی صورت میں فراہم کیے ہیں۔)

دنیا کے غیر حقیقی ہونے کا نظریہ

پوسٹ ماڈرن ازم کے نزدیک جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، اس کی حیثیت سچائی کی نہیں ہے۔ اس کے علم برداروں کا خیال ہے کہ ہم وہی دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں اور ہم وہی دیکھتے ہیں جو مخصوص وقت اور مخصوص مقام پر مخصوص احوال خود کو دکھانا چاہتے

ہیں۔ وہ دنیا کو حقیقی اور ٹھوس اشیا اور مناظر کی بجائے ایسے عکسوں (Images) اور مظاہر (Representations) سے عبارت سمجھتے ہیں جو غیر حقیقی (Unreal) اور Untangible ہیں۔ یعنی پوسٹ ماڈرن ازم کے نزدیک یہ دنیا محض ایک ویڈیو گیم ہے جس میں ہم اپنی پسند کی سچائیاں دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں۔ ضیاء الدین سردار نے اس کی تشریح یوں کی ہے:

"This means that the world has been transformed into a theatre where everything is artificially constructed. Politics is a stage-managed for mass consumption. Television documentaries are transformed and presented as entertainment. Journalism blurs the distinction between fact and fiction. Living individuals become characters in soap operas and fictional characters assume real lives. Everything happens instantaneously and everybody gets a live feed on everything that is happening in the global theatre."[۱]

(اس کا مطلب ہے کہ یہ دنیا ایک ایسا تھیٹر ہے جس میں ہر چیز مصنوعی طور پر تشکیل کردہ ہے۔ سیاست کا عوامی استعمال کے لیے اسٹیج پر اہتمام کیا گیا ہے۔ ٹیلی ویژن ڈاکیومینٹریز تفریحات کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ صحافت حقیقت اور افسانے کے بیچ فرق کو دھندلا دیتی ہے۔ زندہ افراد سوپ اوپیرا کے کردار بن جاتے ہیں اور افسانوی کردار زندہ انسانوں کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ہر چیز اچانک ہو جاتی ہے اور ہر ایک عالمی تھیٹر میں واقع ہونے والی ہر چیز کا رواں نظارہ کرتا ہے۔)

ردتشکیل کا نظریہ

جیسا کہ عرض کیا گیا، پوسٹ ماڈرن ازم کے نزدیک جمہوریت، ترقی، آزادی، مذہب، خدا، کمیونزم اور اس طرح کے دعوؤں کی وہی حیثیت ہے جو دیومالائی داستانوں اور

عقیدوں کی ہے۔ اس لیے انھوں نے ان تمام دعوؤں کو عظیم بیانیہ، عظیم داستانیں یا Meganarratves کا نام دیا ہے۔ ماڈرنزم کے مفکرین کا خیال ہے کہ انھوں نے بہت سی 'سچائیاں' تشکیل دی ہیں اور چاہے مذاہب ہوں یا جدید نظریات، ان کی بنیاد کچھ خود ساختہ عالمی سچائیوں پر ہیں اس لیے ماڈرن ازم کے دور کی تہذیب، علم وغیرہ انہی مفروضہ سچائیوں پر استوار ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان تشکیل شدہ سچائیوں کی رد تشکیل (Deconstruction) کی جائے، یعنی انھیں ڈھایا جائے۔ چنانچہ ادب، فنون لطیفہ، آرٹ، سماجی اصول وضابطے ہر جگہ ان کے نزدیک کچھ خود ساختہ سچائیاں اور عظیم بیانیے ہیں جن کی ردِّ تشکیل ضروری ہے تاکہ پوسٹ ماڈرنسٹ ادب فنون لطیفہ وغیرہ میں ایسے 'غلط مفروضوں' کا عمل دخل نہ ہو۔ پوسٹ ماڈرن ازم کا ایک تجزیہ نگار لکھتا ہے:

Postmodernist scholars argue that a global, decentralized society such as ours inevitably creates responses/perceptions that are described as postmodern, such as the rejection of what are seen as the false, imposed unities of meta-narrative and hegemony; the breaking of traditional frames of genre, structure and stylistic unity; and the overthrowing of categories that are the result of logocentrism and other forms of artificially imposed order.[۱۸]

(مابعد جدید مفکرین کا خیال ہے کہ ہماری طرح کے ایک آفاقی اور غیر مرکوز سماج میں خود بخود مابعد جدید کی طرح کے ردعمل جنم لیتے ہیں۔ یعنی عظیم بیانات کے فکری استبداد کا استرداد، ساخت اور طرز کی وحدت کے روایتی فریموں کا توڑ اور منطق کی مرکزیت اور اس طرح کے دیگر مصنوعی طور پر مسلّط کردہ آرڈرز کو اٹھا کر پھینک دینے کا عمل۔)

شاید بحث پیچیدہ اور فلسفیانہ ہوگئی۔ لیکن چونکہ اس فکر کی بنیادیں فلسفیانہ ہیں

اس لیے اس مختصر فلسفیانہ بحث کے بغیر اس نظریہ پر صحیح طریقہ سے روشنی نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔

پوسٹ ماڈرن ازم کا ایک جائزہ

پوسٹ ماڈرنسٹس کا یہ دعویٰ کہ دنیا میں کسی سچائی کا سرے سے وجود نہیں ہے ایک نہایت غیر منطقی دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ میں بہت بڑا ریاضیاتی نقص ہے۔ یہ کہنا کہ 'یہ سچ ہے کہ دنیا میں کوئی سچ نہیں' ایک بے معنی بات ہے۔ '' دنیا میں کوئی سچ نہیں ہے۔'' یہ بذات خود ایک دعویٰ اور ایک بیان ہے۔ اگر اس بیان کو درست مان لیا جائے تو اس کی زد سب سے پہلے خود اسی بیان پر پڑے گی۔ اور یہ بیان جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ یہ ماننے کیلئے کہ '' دنیا میں کوئی سچ نہیں ہے'' ۔کم سے کم اس ایک بات کو سچ ماننا پڑے گا۔ اس جملے کا ریاضیاتی (Mathematical) اور منطقی (Logical) تجزیہ اس مضمون کے دائرے سے باہر ہے، لیکن کم سے کم مندرجہ ذیل آسان تجزیہ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔

☆ دنیا میں کوئی سچ نہیں ہے۔

☆ اس لیے یہ بات بھی کہ '' دنیا میں کوئی بات سچ نہیں ہے'' سچ نہیں ہے۔

☆ اس لیے ''پوسٹ ماڈرن ازم'' سچ نہیں ہے۔

☆ اس لیے دنیا میں سچ باتوں کا وجود ہے۔

پوسٹ ماڈرنسٹس ہر عالم گیر سچائی کے دعوے کو عظیم بیان کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس پیمانے پر خود پوسٹ ماڈرن ازم کو ''عظیم بیان'' کیوں نہ قرار دیا جائے؟ 'خود ساختہ سچائیوں' کی ردتشکیل کی یہ فکر ایسا جال بچھاتی ہے کہ اس میں خود ہی پھنس جاتی ہے اور خود اپنے اصولوں کے ذریعہ اپنے ہی اصولوں کا رد کرتی ہے۔ غالباً یہ انسان کی فکری تاریخ کا نہایت منفرد واقعہ ہے کہ کوئی فکر اپنے تشکیل کردہ پیمانوں سے اپنی ہی بنیادوں کو ڈھائے۔

منطقی تضاد کے علاوہ اس فکر کے عملی اثرات بھی نہایت بھیانک ہیں۔ اگر سچائی اضافی ہے اور دنیا میں کوئی قدر آفاقی نہیں ہے اور سچائیاں مقامی تہذیبوں کی پیداوار ہیں تو سوال یہ ہے کہ کس بنیاد پر مثلاً نازی ازم کو غلط قرار دیا جائے گا؟ آخر نازی ازم بھی ایک قوم کے اتفاقِ رائے ہی کا نتیجہ تھا۔ یا مثلاً کس بنیاد پر ایک شخص کو دوسروں کی جیب کاٹنے سے

روکا جائے گا؟ اس لیے کہ ہر جیب کترا جس مخصوص تہذیبی پس منظر میں پروان چڑھتا ہے وہ اسے جیب کترنے کے عمل کو ایک ناگزیر حقیقت کے روپ میں ہی دکھاتا ہے، یا اگر کوئی بزرگ وار افیم کھا کر چلتی ٹرین کے دروازہ میں سے یہ سمجھ کر نہایت صبر وسکون کے ساتھ باہر نکلنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنے گھر کے چمن میں تشریف لے جارہے ہیں تو آخر کس دلیل سے انہیں اس حماقت سے روکا جائے گا؟ وہ نہایت ایمانداری کے ساتھ وہی سچائی دیکھ رہے ہیں جو افیم کے اثر سے پیدا شدہ ان کے 'مخصوص احوال' انہیں دکھارہے ہیں۔ اس لیے سچائیوں کے تعدّد ('Pluralism of Truth') کے نظریہ کا تقاضہ ہے کہ ان کی اختیار کردہ سچائی کو بھی تسلیم کیا جائے۔ سچائی کی اضافت کے نظریہ کو مان لینے کے بعد اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ کچھ حقائق پر جب تک عالمی اتفاق رائے نہ ہو اور انہیں قطعی حقائق کے طور پر قبول نہ کیا جائے، اُس وقت تک تمدن کی گاڑی ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جہاں کچھ باتوں پر اختلاف رائے تمدن کو رنگا رنگی اور تنوع بخشتا ہے وہیں کچھ باتوں پر اتفاق تمدن کو استحکام عطا کرتا ہے۔ اس لئے اختلاف اور اتفاق دونوں کی بیک وقت ضرورت ہے۔

پوسٹ ماڈرن ازم اور اسلام

سچائی کی اضافت کا نظریہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک باطل نظریہ ہے۔ اسلام اس بات کا قائل ہے کہ عقل انسانی کے ذریعہ مستنبط حقائق یقیناً اضافی ہیں اور شک وشبہ سے بالا تر نہیں ہیں۔ اس حد تک مابعد جدیدیت اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک جن حقائق کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے وہ حتمی اور قطعی ہیں۔ ان کی جزوی تشریحات وتعبیرات (جس میں فہم انسانی اور عقل انسانی کا دخل ہے) تو اضافی ہوسکتی ہیں، لیکن ان کے واضح معنٰی ہر اعتبار سے حتمی اور قطعی ہیں۔

اس ساری بحث میں اسلام کا نقطۂ نظر نہایت معتدل، متوازن اور عقل کو اپیل کرنے والا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی موجود ہیں اور اُن تضادات کی بھی گنجائش نہیں ہے جو پوسٹ ماڈرن ازم

میں پائے جاتے ہیں۔

یہ بات کہ انسانی عقل حتمی نہیں ہے اور بسا اوقات دھوکہ کھاتی ہے، اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے کوئی نئی فکر نہیں ہے۔ ماڈرن ازم نے جس طرح عقل انسانی کو حتمی اور قطعی مقام دیا اور عقلیات کو حتمی سچائی کے طور پر پیش کیا، اس پر پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین سے بہت پہلے اسلامی مفکرین نے جرح کی۔ بلکہ یہ مبحث صدیوں قبل امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے افکار میں بھی ملتا ہے۔

امام غزالیؒ نے تہافتہ الفلاسفہ، مقاصد الفلاسفہ وغیرہ کتابوں میں ارسطو کی منطق پر خود اسی منطق کے اصولوں کا استعمال کرتے ہوئے جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عقل کے ذریعہ معلوم حقائق کو محض واہمہ قرار دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کائنات کی وسعتیں اور وقت لامحدود ہے اور انسانی عقل لامحدود کا ادراک نہیں کرسکتی۔ اس لیے اس کے مشاہدات اضافی (Relative) ہیں اور ان مشاہدات کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی اضافی ہیں۔[۱۹] اپنی کتاب معیار العلم، میں اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے مختلف مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ انسانی حسیات کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات اکثر اوقات دھوکہ کا باعث ہوتی ہیں۔ ستارے آنکھ سے چھوٹے ذرات معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں سے کئی زمین اور سورج سے بھی بڑے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر آنے والے حقائق بھی ضروری نہیں کہ حقائق ہوں۔ وہ محض حقیقت کا سایہ یا واہمہ ہوسکتے ہیں۔ حسیات کا دھوکہ عقل سے معلوم ہوتا ہے اور عقل کا دھوکہ کسی ایسے ذریعہ سے معلوم ہوگا جو عقل سے بالاتر ہے (یعنی وحی الٰہی)۔[۲۰]

علّت (Causality) کے سوال پر امام غزالیؒ اور ابن رشدؒ کی بحث بھی پڑھنے کے لائق ہے۔[۲۱] ان کا نقطۂ نظر ہے کہ خالص عقلی طریقوں سے دنیا یا انسان کے بارے میں کسی آفاقی بیان تک نہیں پہنچا جاسکتا، اس لئے کہ جو بیان بھی تشکیل دیا جائے گا وہ اپنے عہد کے مخصوص مادی پس منظر سے ماورا نہیں ہوگا۔ جو لوگ اس موضوع پر تفصیل سے پڑھنا چاہیں وہ خاص طور پر امام غزالیؒ کی تہافتہ الفلاسفہ اور معیار العلم کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

جدید اسلامی مفکرین نے بھی ''ماڈرن ازم'' پر کلام کرتے ہوئے عقل کی محدودیت اور عقل کے ذریعہ معلوم حقائق کی اضافت ثابت کی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

> ''انسانی فکر کی پہلی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علم کی غلطی اور محدودیت کا اثر لازماً پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس خدائی فکر میں غیر محدود علم اور صحیح علم کی شان بالکل نمایاں ہوتی ہے۔ جو چیز خدا کی طرف سے ہوگی اس میں آپ ایسی کوئی چیز نہیں پاسکتے جو کبھی کسی زمانے میں کسی ثابت شدہ علمی حقیقت کے خلاف ہو یا جس کے متعلق یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس کے مصنف کی نظر سے حقیقت کا فلاں پہلو اوجھل رہ گیا۔... ان کے (علمی قیاسات) غلط ہونے کا اتنا ہی امکان ہوتا ہے جتنا ان کے صحیح ہونے کا، اور تاریخ علم میں ایسے بہت کم قیاسات و نظریات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جو بالآخر غلط ثابت نہیں ہوئے ہیں۔'' [۲۲]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات [۲۳]

یا

وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم [۲۴]

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علم حقیقی (یا حتمی اور قطعی سچائی) کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس نے اپنے علم سے انسان کو اتنا ہی معمولی سا حصہ بخشا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لاَ یَخۡفَیٰ عَلَیۡهِ شَیۡءٌ فِیۡ الۡأَرۡضِ وَلاَ فِیۡ السَّمَاءِ۔ (آل عمران:۵)

''بیشک اللہ وہ ہے جس سے نہ زمین کی کوئی چیز مخفی ہے نہ آسمان کی۔''

يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ أَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلاَ يُحِيۡطُوۡنَ بِشَيۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖ إِلَّا بِمَا شَاء ۔(البقرۃ:۲۵۵)

”جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور لوگ اس کے علم میں کسی چیز پر بھی حاوی نہیں ہو سکتے بجز ان چیزوں کے جن کا علم وہ خود انکو دینا چاہے۔“

اس طرح جو حقائق علم حقیقی کے سرچشمہ یعنی باری تعالیٰ کی جانب سے وحی الٰہی یا اس کے پیغمبر کی منصوص سنت کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے ہوں وہ حتمی حقائق (Absolute Truth) ہیں اور ان کے ماسوا دنیا میں حقیقت کے جتنے دعوے پائے جاتے ہیں ، ان کی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحی الٰہی سے متصادم ہیں تو وہ باطل مطلق (Absolute False) ہیں اور اگر متصادم نہیں ہیں تو ان کی حیثیت اضافی حقیقت یا Relative Truth کی ہے جو صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ عام انسان تو کجا عام معاملات میں عقلی غلطی کا امکان نبی ﷺ کے سلسلہ میں بھی موجود ہے۔ مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر اس مسئلہ کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے ہم علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسان کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے۔ شاہ ولی اللہؒ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے کہ اس کا مدار وحی والہام اور ملکۂ نبوت پر نہیں بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے۔“[۲۵]

اس بحث سے یہ بات واضح ہے کہ وحی الٰہی سے منصوص حقائق کے ماسوا تمام امور، خواہ وہ سائنسی اصول وضوابط ہوں یا ریاضی و منطق، یا معاشیات وسیاسیات یا سماجیات وعمرانیات سے متعلق امور، تمام دعوے اضافی ہیں۔

عملی زندگی میں قانون سازی اور ضابطہ سازی کے معاملہ میں بھی اسلام نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ماڈرن ازم کی طرح نہ وہ ہر ضابطہ اور اصول کو آفاقی حیثیت دیتا ہے

اور نہ پوسٹ ماڈرن ازم کی طرح ہر آفاقی ضابطہ واصول سے انکار کرتا ہے۔ وحی الٰہی کی صورت میں وہ بنیادی اصولوں اور سمت کو آفاقی حیثیت دیتا ہے، ان اُصولوں کو زمان اور مکان (Time and Space) سے بالاتر یا ماوراقرار دیتا ہے اور ان آفاقی اصولوں کی روشنی میں مخصوص وقت، مخصوص مقام اور مخصوص احوال کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ بلکہ اجتہادی اور غیر منصوص احکام میں 'عرف' کا لحاظ رکھتا ہے۔ جسے پوسٹ ماڈرنسٹ تہذیبی اتفاق رائے (Cultural Consensus) کہتے ہیں۔

ضیاء الدین سردار نے اسلام کو پوسٹ ماڈرینٹی کے مقابلہ میں ماورائے جدیدیت (Transmodernity) کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔[۲۶] بنیادی اصولوں (قرآن وسنت کی تعلیمات) سے گہری وابستگی کے ساتھ تغیر پذیر زمانہ کے مطابق تبدیلیوں کو اختیار کرنے کا عمل ماورائے جدیدیت ہے۔ اسلامی سماجوں میں ابدی قدروں سے وابستگی موجود ہے۔ اس لیے وہ جدید یا پس جدید نہیں ہیں اور چوں کہ یہ قدریں حیات بخش ہیں اور ان کے اندر نہ صرف نئے زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود ہے، بلکہ نئے ضابطوں اور طرز ہائے حیات کی تشکیل کی صلاحیت اور گنجائش بھی موجود ہے، اس لیے ان کی بنیاد پر قائم سماج کو ماقبل جدید (Premodern) یا روایت پرست (Traditional) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وحی الٰہی کی بنیادوں پر چند آفاقی قدروں اور اصولوں کی حتمیت اور ان کے دائرہ کے باہر وسیع تر معاملات میں وحی الٰہی کی روشنی میں نئے طریقوں، ضابطوں اور راستوں کی تشکیل کا راستہ ایک ایسا معتدل راستہ ہے جو اسلام کو بیک وقت دائمی و آفاقی اور تغیر پذیر اور مقامی احوال کے مطابق بناتا ہے اور زمان ومکان کے اختلافات سے ماورا کر دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کی بنیاد پر بننے والا سماج ماورائے جدید (Transmodern) سماج ہوتا ہے۔

ختم نبوت کا نظریہ یعنی یہ عقیدہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب تا قیامت کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے اور وحی کا سلسلہ تمام ہو گیا اور اب قیامت تک قرآن ہی اللہ کی کتاب اور بنی نوع انسان کی ہدایت کا ذریعہ ہے، اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے۔ اس

نظریہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اب زمانہ میں کسی ایسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے جو بنیادی اصولوں میں کسی تبدیلی کی متقاضی ہو۔ آنے والی ہر جدت کی نوعیت جزوی اور ذیلی ہی ہوگی۔ اس لیے یہ کہنا کہ اب ہم ماڈرن ازم کے عہد میں ہیں، اس لیے پری ماڈرن ازم یا ماقبل جدیدیت کے عہد کی ہر چیز تبدیل ہونی ہے یا یہ کہ اب ہم پوسٹ ماڈرن ازم کے عہد میں ہیں اس لیے ماڈرن ازم کی ہر جڑ کی ردتشکیل ضروری ہے، ایک نہایت لغو بات ہے۔ انسانی حیات میں بیک وقت دائمی اور تغیر پذیر دونوں طرح کے عناصر کارفرما ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اس مسئلہ پر اپنے کتابچہ ’دین حق‘ میں بہت دلچسپ اور دل نشیں انداز میں بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”کیا یہ واقعہ نہیں کہ تمام جغرافیائی، نسلی اور قومی اختلافات کے باوجود وہ قوانین طبعی یکساں ہیں جن کے تحت انسان دنیا میں زندگی بسر کررہا ہے۔ وہ نظام جسمانی یکساں ہے جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ خصوصیات یکساں ہیں جن کی بنا پر انسان دوسری موجودات سے الگ ایک مستقل نوع قرار پاتا ہے۔ وہ فطری داعیات اور مطالبات یکساں ہیں جو انسان کے اندر ودیعت کیے گئے ہیں۔ وہ قوتیں یکساں ہیں جن کے مجموعے کو ہم نفس انسانی کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ تمام طبعی، نفسیاتی، تاریخی، تمدنی، معاشی عوامل بھی یکساں ہیں جو انسانی زندگی میں کارفرما ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے تو جو اصول انسان بحیثیت انسان کی فلاح کے لیے صحیح ہوں، ان کو عالم گیر ہونا چاہیئے۔“[۲۷]

بعینہ یہی بات زمانی اختلافات کے سلسلہ میں بھی کہی جاسکتی ہے۔:

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم[۳۰]

پوسٹ ماڈرن ازم کے عملی اثرات

پوسٹ ماڈرن ازم ایک دقیق فلسفیانہ بحث ہے۔ لیکن اس کے پیش رو، ماڈرن ازم کے افکار بھی ایسے ہی دقیق فلسفے تھے۔ عام لوگ ان گہرے فلسفوں کا مطالعہ نہیں کرتے

لیکن عملی زندگی میں ان کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ ماڈرن ازم کے عروج کے زمانے میں بھی تمام لوگ والٹیر اور روسو کی دقیق کتابیں نہیں پڑھتے تھے، لیکن آزادی، مساوات، جمہوریت، اپنے حقوق کا احساس، مساوات مرد وزن، روایات کے خلاف بغاوت اور عقل پر اصرار جیسی چیزیں عام آدمی کے رویوں کا بھی حصہ تھیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے عہد میں بھی عام لوگ چاہے مابعد جدیدیت کی اصطلاحات اور بحثوں سے واقف نہ ہوں، لیکن محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اپنی عملی زندگی اور رویوں میں اس کے اثرات قبول کر رہے ہیں۔ مسلمان اور بعض اوقات تحریک کے وابستگان بھی اس کے اثرات سے خود کو نہیں بچا پا رہے ہیں۔

پوسٹ ماڈرن ازم کا سب سے نمایاں اثر یہ ہے کہ افکار، نظریات اور آئیڈیالوجی سے لوگوں کی دلچسپی نہایت کم ہوگئی ہے۔ عہد جدید کا انسان مخصوص افکار ونظریات سے وفاداری رکھتا تھا اور ان کی تبلیغ واشاعت کے لیے پرجوش وسرگرم رہتا تھا۔ مابعد جدید دور کے انسان کے نہ کوئی آئیڈیاز ہیں نہ اصول۔ اس کے سامنے کسی بھی موضوع پر نظری بحث شروع کیجیے دامن جھاڑ کر چلا جائے گا۔ اس لئے بعض مفکرین نے اس عہد کو 'نظریہ کے زوال کا عہد' Age of No Idelogy قرار دیا ہے۔[۲۹] اصول اور افکار کے مبسوط نظام (Doctrine) کے بالمقابل مابعد جدید انسان کے پاس صرف جذبات واحساسات ہیں یا عملی مسائل (Pragmatic issues)۔ پوسٹ ماڈرن ازم کا ماننا ہے کہ زندگی کی تمام بحثیں 'مسئلہ' اور 'حل' Problem and Solution تک محدود کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے اصولوں اور نظریوں کی بجائے ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ لیا جانا چاہیئے اور اس کے حل پر بات ہونی چاہیے۔ چنانچہ پوسٹ ماڈرن انسان کی بحث وگفت گو کا سارا زور یا تو روزمرہ کے عملی مسائل پر ہے یا روابط تعلقات کی جذباتیت پر۔ مختلف فیہ اور متنازعہ فیہ مسائل میں وہ باہم متضاد خیالات میں سے ہر خیال کو بیک وقت درست سمجھتا ہے، ان کی تنقیح اور درست فیصلہ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔

مذہبی معاملات میں ہمارے ملک میں سرودھرم سمبھاؤ یا وحدت ادیان کا نظریہ

بہت قدیم ہے۔ پوسٹ ماڈرن ازم نے اس طرز فکر کو تقویت دی ہے۔ اب دنیا بھر میں لوگ بیک وقت سارے مذاہب کو سچ ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اور بین المذہبی مکالمات ومباحث سے لوگوں کی دلچسپی روبہ زوال ہے۔ جبکہ دوسری طرف الحاد ومذہب بیزاری کی شدت بھی ختم ہورہی ہے۔ چونکہ الحاد بھی ایک 'دین' یا ایک 'دعویٰ' ہے۔ اس لیے مابعد جدید انسان اسے بھی ایک مسلک کے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لیے اس عہد کو لادینیت کے خاتمہ کا عہد (Age of Desecularisation) بھی کہا جاتا ہے۔[۳۰] ایک شخص خدا پر یقین نہ رکھتے ہوئے بھی روحانی سکون کی تلاش میں کسی مذہبی پیشوا سے رجوع ہوسکتا ہے۔ اور آج اسے کسی ہندو بابا کے ہاں سکون ملتا ہے تو کل کوئی عیسائی راہب اسے مطمئن کرسکتا ہے۔ یہ مابعد جدیدیت ہے۔

قدروں کی اضافت کے نظریہ نے سماجی اداروں اور انضباطی عوامل (Regulating Factors) کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ خاندانی نظام اور شادی بیاہ کے بندھنوں کا انکار ہے نہ اقرار۔ عفت، ازدواجی وفاداری اور شادی کے بندھن پوسٹ ماڈرنسٹوں کے ہاں 'عظیم بیانات' ہیں۔ اسی طرح جنسوں کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ رول کو بھی وہ آفاقی نہیں مانتے۔ نہ صرف مرد عورت کے درمیان تقسیم کار کے روایتی فارمولوں کے وہ منکر ہیں، بلکہ جنسی زندگی میں بھی مرد وعورت کے جوڑے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شادی مرد اور عورت کے درمیان بھی ہوسکتی ہے، اور مرد مرد اور عورت عورت کے درمیان، کوئی چاہے تو اپنے آپ سے بھی کرسکتا ہے یا نہیں بھی کرسکتا ہے۔ مرد اور عورت شادی کے بغیر ایک ساتھ رہنا پسند کریں (Live in Relationship) تو اس پر بھی کوئی اعترض نہیں ہے۔ ایک ساتھ بھی نہیں رہنا ہے تو صرف تکمیل خواہش کا معاہدہ (Lust Relationship) ہوسکتا ہے۔ یہ سب ذاتی پسند اور ذوق کی بات ہے۔ فیشن، لباس، طرز زندگی ہر معاملے میں کوئی بھی ضابطہ بندی گوارا نہیں ہے۔ مرد بال بڑھا سکتا ہے، چوٹی ڈال سکتا ہے، اسکرٹ پہن سکتا ہے، زنانہ نام رکھ سکتا ہے، کسی بھی رنگ اور ڈیزائن کا لباس پہن سکتا ہے۔ سوسائٹی کو کسی بھی رویے کو ناپسند کرنے کا کوئی حق

نہیں ہے۔ حتی کہ اگر کوئی مادر زاد برہنہ رہنا چاہے تو سوسائٹی اس پر بھی معترض نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بعض پوسٹ ماڈرنسٹ لباس کو آفاقی ضرورت قرار دینے پر معترض ہیں۔ آدمی اگر موسم اور اپنے ذوق کی مناسبت سے کوئی لباس پسند کرنا چاہے تو کرے اور اگر عریاں رہنا چاہے تو انسانی جسم سے بڑھ کر خوبصورت لباس اور کیا ہوسکتا ہے؟ وہ باقاعدہ لوگوں کو عریاں رہنے کی تربیت دیتے ہیں۔ عریانیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ عریاں خاندان جن میں ماں باپ بچے سب مکمل برہنہ رہتے ہیں، بڑی تعداد میں سارے مغربی ممالک میں موجود ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس طرز زندگی کے فروغ کے لیے ویب سائٹس، ہیلپ لائینیں، ڈسکشن فورمز اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔

سیاسی محاذ پر پوسٹ ماڈرنسٹ قوموں کے وجود اور قوم پرستی کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک قوم، قومی مفاد، قومی تفاخر، قومی کردار، قومی فرائض، یہ سب 'عظیم بیانات' ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ضرورت اور مفاد کے مطابق افراد کسی بھی قسم کے دوسرے افراد سے تعامل کرتے ہیں اور اس طرح گروہوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ تشکیل ضروری نہیں کہ قوم اور نسل کی بنیادوں پر ہو۔ قوموں کے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور بھی ان کے نزدیک 'عظیم بیان' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوسٹ ماڈرن سماج میں ایک طرف گلوبلائزیشن کے عمل کے نتیجہ میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کو عالمی معاشی قوتوں کے تابع کر دیا گیا اور دوسری طرف مقامی معاشروں کے مفادات کو بھی ریاست کے اقتدار اعلیٰ پر فوقیت اور بالاتری دے دی گئی۔ اگر کوئی علاقہ، قبیلہ یا گروہ ریاست کے اقتدار سے خوش نہیں تو ریاست کو اس پر زبردستی کا کوئی حق نہیں۔[۳۱]

اس طرح پالیسی کی سطح پر 'ترقی' ٹکنالوجی وغیرہ جیسے تصورات کو چیلنج کیا گیا۔ پوسٹ ماڈرنسٹ ترقی کے یکساں فارمولے کے مخالف ہیں۔ یہ بات کہ جدید شہروں کی شان وشوکت اور ٹکنالوجی پر مبنی تعیّشات پس ماندہ علاقوں کی منزل اور ان کی کاوشوں کا ہدف ہونا چاہیے، اب مسلمہ نہیں رہی۔ مابعد جدید تحریکوں نے دیہی زندگی اور روایتی معاشروں کی افادیت بھی اجاگر کی۔ اگر آدی باسی اپنے قبائلی طرز زندگی سے

مطمئن اور خوش ہیں تو کوئی ضروری نہیں کہ انھیں جدید شہری ترقی کے لیے مجبور کیا جائے۔ ان کے نزدیک جنگل کی آزاد فضا ہی سچائی ہے۔ دیہی لوگوں کو ان کی زمین سے ہٹا کر وہاں نئی صنعتیں قائم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، خواہ اس کے بدلہ میں ان کو زیادہ آرام دہ زندگی ہی کیوں نہ میسر آئے۔ مابعد جدید پالیسی کا حاصل یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کی مرضی اور پسند کی زندگی گذارنے کی آزادی دی جانی چاہیے اور نہ تعلیم، نہ سائنس وٹکنالوجی، نہ ترقی اور نہ تعیّشات، کوئی بھی چیز اس پر مسلط نہیں کی جانی چاہیے۔

آرٹ اور فنون لطیفہ میں وہ ہر طرح کے نظم اور آرڈر کے خلاف ہیں۔ جدیدیت نے ان محاذوں پر جو اصول تشکیل دیے تھے، پوسٹ ماڈرن ان کی رد تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ کے الفاظ میں: ''ہر طرح کی نظریاتی ادّعائیت سے گریز اور تخلیقی آزادی پر اصرار مابعد جدیدیت (پوسٹ ماڈرن ازم) ہے''۔[۳۲] پوسٹ ماڈرنسٹ کہتے ہیں کہ ادب اور فنون لطیفہ حقیقت کی ترجمانی کے لیے نہیں بلکہ حقیقت کی تخلیق کے لیے ہیں۔ اس لیے وہ آرٹ کو ہر طرح کے ادبی، سیاسی اور مذہبی دعووں سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

اس طرح پوسٹ ماڈرن ازم تحریک نے سوسائٹی میں ہر جگہ اتھاریٹی، بیوروکریسی اور ضابطوں اور اصولوں کی سخت گیری کو چیلنج کیا۔ ہائرارکی (Hierarchy) کے مقابلہ میں انارکی، بندشوں کے مقابلہ میں آزادی، اختیارات کی مرکزیت Centralisation کے مقابلہ میں غیر مرکزیت (Decentralisation) اور ضابطہ اور اصول کے مقابلہ میں انفرادی پسند اور آزادی کا احترام وغیرہ اس تحریک کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس صورت حال نے منظّم ہمہ گیر تحریکوں کے مقابلہ میں ایشوز پر مبنی وقتی اور موضوعاتی تحریکیں، سخت گیر بیوروکرٹیک انتظام (Management) کے مقابلہ میں ڈھیلی ڈھالی قیادت وغیرہ کی کیفیتیں پیدا کیں۔ عملی زندگی کے مختلف معاملات میں پوسٹ ماڈرنسٹ ہر طرح کی روایت، اصول اور ضوابط کی عالمگیری کے خلاف ہیں اور ذاتی پسند و ناپسند کو اہمیت دیتے ہیں۔ طرز ہائے زندگی سے متعلق معاملات میں ذاتی پسند افراد کی

ہوتی ہے۔ اس کو منضبط کرنے کا معاشرہ کو کوئی حق نہیں ہے اور اجتماعی معاملات میں پسند و ناپسند قبیلوں، آبادیوں، تنظیموں یا کسی بھی اجتماعی گروہ کی ہوسکتی ہے۔ اس پر کنٹرول کرنے کا کسی عالمی یا قومی ادارے کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

پوسٹ ماڈرن ازم اور تحریک اسلامی

پوسٹ ماڈرن ازم اسلام اور اسلامی تحریک کے لیے بیک وقت چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور موقع (Opportunity) کی بھی۔ ماڈرن ازم کی طرح اس تحریک نے بھی بعض سنجیدہ نظریاتی مسائل کھڑے کیے ہیں جن سے اسلامی تحریک کو فکری سطح پر نبرد آزما ہونا ہے۔ ماڈرن ازم کے زمانے میں تحریک اسلامی نے اس کے اٹھائے ہوئے سوالات کا زور دار جواب دیا تھا، لیکن ساتھ ہی ماڈرن ازم نے جو کیفیتیں پیدا کی تھیں، تحریک نے اپنی حکمت عملی میں ان کا لحاظ بھی کیا تھا۔ ماڈرن ازم نے عقل کو اہمیت دینے کا مزاج بنایا تھا تو تحریک نے عقلی طریقوں سے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ تحریک کی صورت گری اور اس کے لیے بنائی گئی جماعت کے ڈھانچہ کی تشکیل میں بھی جائز حدود میں ماڈرن عہد کے طریقوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ ماڈرن ازم نے معقولیات اور منطق کے استعمال کا جو راستہ سجھایا تھا، تحریک اسلامی نے اسے قدیم فرسودہ روایات، اندھی عقیدتوں اور رجعت پسند رواجوں سے مقابلہ کے لیے استعمال کیا۔

ٹھیک یہی ردعمل پوسٹ ماڈرن ازم کے سلسلہ میں بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف ان فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنا ہے جو مابعد جدیدیت نے پیش کیے ہیں اور دوسری طرف تحریک کی دعوت، اس کے مباحث اور طریق کار میں ان کیفیتوں، مزاجوں اور رویوں کا لحاظ رکھنا ہے جو مابعد جدیدیت نے پیدا کیے ہیں۔

(۱) تحریک اسلامی کا مقابلہ آج بھی ماڈرن ازم کے فلسفوں سے ہے۔ پوسٹ ماڈرن ازم کی طاقتور تحریک کے باوجود اب بھی عقلیت کا فریب پوری طرح بے نقاب نہیں ہو پایا ہے۔ سیاسی سطح پر عالمی استعماری قوتیں تحریک کی اصل حریف ہیں اور وہ آج بھی جدیدیت ہی کی مظہر ہیں۔ اسلامی دنیا میں اسلامی تحریکوں کو کچلنے والے تمام حکم راں

ماڈرن ازم پروجکٹ ہی کے علم بردار ہیں۔ اس تناظر میں پوسٹ ماڈرنسٹ ہمارے اہم حلیف ثابت ہو سکتے ہیں ۔ پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین مغرب اور مغربی تہذیب کے گلیمر، سرمایہ دارانہ معیشت کی چکاچوند اور مغربی افکار اور عقلیت کے سحر کو توڑنے میں ہمارے معاون بن سکتے ہیں۔ تحریک اسلامی کو بڑا چیلنج اُن قوتوں سے درپیش ہے، جو تحریک کو رجعت پسندی قرار دیتے ہیں ۔ اسلام کے مقابلہ میں جمہوریت، مساوات مرد وزن وغیرہ کے مغربی تصورات کو اسلامی معاشروں کے لیے راہ نجات قرار دیتے ہیں۔ اور پوسٹ ماڈرنسٹ بڑے زور وشور سے ان 'عظیم بیانات' کی ردتشکیل میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں پوسٹ ماڈرنسٹ ہمارے حلیف ثابت ہوسکتے ہیں۔ مابعد جدید مفکرین نے جدید مغرب کے 'عظیم بیانات' پر جو سوالات کھڑے کیے ہیں ہمیں ان کا موثر استعمال کرنا چاہیے اور جدیدیت اور جدید مغرب کو شکست دینی چاہئے۔

(۲) پوسٹ ماڈرن ازم نے مذہب روحانیت اور روایات (Traditions) کا احیا کیا ہے اور مذہب کی طرف واپسی کی راہیں ہموار کی ہیں۔ اگر چہ پوسٹ ماڈرنسٹ مذہب کو آفاقی سچائی کا مقام دینے کے لیے تیار نہیں ،لیکن اگر روحانی سکون کے لیے کوئی مذہب اختیار کرتا ہے یا کوئی معاشرہ اپنے لیے مذہبی قانون پسند کرتا ہے تو پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ یہ صورت حال بھی تحریک کے لیے سازگار ہے۔

(۳) اس وقت دنیا بھر میں ملے جلے معاشرے (Plural societies) وجود میں آرہے ہیں۔ ان معاشروں میں اہل اسلام کے لیے ایک بڑا مسئلہ اپنی اسلامی شناخت اور تشخّص کے تحفّظ کا مسئلہ ہے۔ پوسٹ ماڈرن افکار یہاں بھی تحریک کے لیے معاون بنتے ہیں۔ مثلاً یکساں سول کوڈ کا تصور ماڈرن ازم کا تصور ہے، جبکہ پوسٹ ماڈرنسٹ مفکرین کے نقطہ نظر سے ایک ہی ملک میں اپنی اپنی پسند کے علیٰحدہ علیٰحدہ قوانین کی نہ صرف گنجائش ہے، بلکہ یہ تکثیریت قابلِ تحسین ہے۔ میرا خیال ہے کہ غالباً تحریک اسلامی بہت آسانی سے مابعد جدیدیت کے علم برداروں کو اسلام کے 'ملت سسٹم' کا قائل کر سکتی ہے

جس میں ہر مذہبی ملت کو اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے معاملات چلانے کا حق حاصل رہتا ہے۔

(۴) مابعد جدید مفکرین کے ساتھ اس تال میل کے ساتھ ساتھ، تحریک اسلامی کو سچائی اور قدروں کی اضافت کے نظریہ کو پرزور طریقہ سے چیلنج کرنا چاہیے۔ ان مفکرین کے اٹھائے ہوئے سوالات پر اسلام کا متوازن موقف گزشتہ سطور میں واضح کیا جا چکا ہے۔ یہ موقف پوسٹ ماڈرن ازم کے اندرونی تضاد سے بھی پاک ہے اور ماڈرن ازم کی ان الجھنوں کو بھی نہایت خوبصورتی سے حل کرتا ہے جن کے حل کے لیے پوسٹ ماڈرن ازم کی تحریک برپا ہوئی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ موقف پرزور طریقہ سے دنیا کے سامنے لایا جائے۔

(۵) اس وقت دنیا بھر کے مذہبی اور نظریاتی فلسفے اپنے پیغام اور طرز پیش کش کو مابعد جدید ذہن کے حسب حال بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیتھولک چرچ نے تو اس کی باقاعدہ منظّم کوشش شروع کی ہے۔ اور عیسائی مطالعات میں PostModern Evangelism باقاعدہ ایک ڈسپلن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ [۳۳] مارکسزم کی نئ پیشکش نیو مارکسزم کی صورت میں سامنے آ رہی ہے۔ اسلام کے داعیوں کو بھی اپنی پیش کش میں بدلے ہوئے ذہن کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

ابھی تک ہمارا مخاطب جدید دور کا وہ قاری تھا جس کے اپنے نظریات اور خیالات تھے۔ ہمارا ہدف یہ تھا کہ اس کے نظریات اور خیالات کو غلط ثابت کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں اپنی دعوت کی معقولیت ثابت کی جائے۔ اب ہمارا سامنا ایک ایسے ذہن سے ہے جو کسی نظریہ اور خیال کی ضرورت کا ہی قائل نہیں ہے۔ وہ بیک وقت ہماری دعوت اور ہمارے مخالف کی دعوت دونوں کو صحیح اور دونوں کو غلط سمجھتا ہے۔ وہ نظریہ اور فکر کے معاملہ میں سنجیدہ ہی نہیں ہے۔ وہ مذہب کے ساتھ ساتھ فکر اور نظریہ کو بھی انسان کا انفرادی معاملہ سمجھتا ہے جس پر بحث کرنے اور لڑنے کی کوئی ضرورت ہے نہ جواز۔ یہ بدلی ہوئی صورت حال علمی وفکری مباحث کے پورے منظرنامہ کو بدل کر رکھتی ہے۔ اور

اس کا لحاظ کیے بغیر ہم اپنی حکمت عملی کا صحیح طور پر تعین نہیں کر سکتے۔

(٦) مابعد جدیدیت نے معقولیات اور علمی دلائل کی اہمیت اس قدر گھٹا دی ہے کہ فلسفہ، سماجیات، تہذیبی مطالعات وغیرہ میں باتوں کی پیشکش کے بالکل نئے طریقے وجود میں آچکے ہیں۔ معقولات کے مقابلہ میں کہانیاں، قصے اور داستانیں، عقل کے مقابلہ میں جذباتی اپیل اور منظّم اور مربوط بحث کے مقابلہ میں ہلکی پھلکی اپیلیں مابعد جدید ذہن سے زیادہ قریب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعدیؒ اور رومیؒ اس وقت اسلامی دنیا سے زیادہ مغربی دنیا میں مقبول ہیں۔ ہمیں اپنی دعوت کی پیش کش میں اس تبدیلی کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا اور ایسے مصنفین تیار کرنے ہوں گے جن کے مقدمات مابعد جدید ذہن کو اپیل کر سکیں۔

(٧) معلومات اور اطلاعات کی اُس غیر معمولی اہمیت کا جسے مابعد جدید عہد میں طاقت کے سب سے بڑے سرچشمہ کا مقام مل چکا ہے، تقاضہ ہے کہ تحریک اسلامی اس محاذ پر توجہ دے۔ کہا جا رہا ہے کہ مابعد جدید دور میں سب سے بڑی قوت معلومات کی قوت ہی ہے۔ لیوتار نے لسانی کھیلوں کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ نئے دور میں معلومات کی ہر چال طاقت کی ایک وضع کی حامل ہے[۳۴] اور بین ملکی طاقت کے کھیل میں کمپیوٹر زائدہ معلومات کا بڑا حصہ ہوگا اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ قوموں اور ملکوں کی آئندہ رقابتیں اور دشمنیاں معلومات کے ذخیروں پر قدرت کے لیے ہوں گی یعنی معلومات گری ملک گری کی طرح عالمی سطح پر ہوس کا درجہ اختیار کر لے گی۔[۳۵]

اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ تقریباً ہر ملک اپنی معلوماتی پالیسی (Knowledge Policy) وضع کر رہا ہے اور معلومات کے انتظام (Information Management) کو غیر معمولی اہمیت دے رہا ہے۔ اس تناظر میں تحریک اسلامی بھی معلومات سے صرف نظر نہیں کر سکتی۔ اسے معلومات اور ڈاٹا کے جمع و انتظام اور استعمال پر خصوصی توجہ دینی ہوگی اور اپنی نالج پالیسی وضع کرنی ہوگی۔

(٨)۔ جہاں تک تحریک کے جماعتی ڈھانچہ کا سوال ہے مابعد جدیدیت کے بعض طالب

علموں کا خیال ہے کہ یہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تشکیل دیا گیا ہے اور پوسٹ ماڈرن عہد کی کیفیتوں کا ساتھ دینے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ یہ ایک انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔ دنیا بھر میں بڑی بڑی تنظیمیں مخصوص 'ہائرارکی' کے ساتھ کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نئے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لیے ہمارے تنظیمی سانچہ میں بعض بنیادی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ علم انتظام (Management Science) کے تصورات میں پوسٹ ماڈرن افکار نے بڑی انقلابی تبدیلیاں کی ہیں۔ مرکزیت، اتھاریٹی کا ارتکاز، سرخ فیتہ شاہی، ضابطوں کی سخت گیری، فیصلہ سازی اور مشاورت کے عمل کی مخصوص اداروں تک محدودیت، جواب دہی اور باز پرس کی میکانکیت وغیرہ جیسے امور، جو نوآبادیاتی علم انتظام کی نمایاں خصوصیات تھیں اب دنیا بھر میں رد کی جارہی ہیں۔ اور مابعد جدید ذہن نہ انہیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، نہ اس سیٹ اپ میں کام کرنے کے لیے۔ تحریک اسلامی کو اس تبدلی کا بھی نوٹس لینا ہوگا۔

خلاصۂ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پوسٹ ماڈرن ازم، ماڈرن ازم کا ایک منفی رد عمل ہے اور اس گھٹاٹوپ اندھیرے کا مظہر ہے جس میں مسلسل کئی نظریات کی ناکامی اور ابطال کے بعد ہمارے عہد کا پڑھا لکھا انسان بھٹک رہا ہے۔ افکار، نظریات، اور فلسفوں کی عالیشان عمارتیں اس بری طریقہ سے زمین بوس ہوگئیں کہ نئے زمانہ کے فلسفیوں نے عافیت اسی میں محسوس کی کہ سوچنا ہی چھوڑ دیا جائے۔ فکر و خیال اور سچائی کے تصورات ہی کو واہمہ قرار دیا جائے۔ نظریہ اور آئیڈیالوجی کو ایک ناپسندیدہ شئے باور کیا جائے اور حیات انسانی کو حالات اور افراتفری کے حوالے کر کے پوسٹ ماڈرن جنت میں چین کی بانسری بجائی جائے۔ تمام جھوٹے خداؤں کے زمین بوس ہوجانے کے بعد پوسٹ ماڈرن ازم دراصل لاالہ کا اعلان ہے۔ الا اللہ کا اعلان باقی ہے اور ان شاء اللہ موجودہ کیفیت کا لازمی اور منطقی انجام ہوگا۔

حواشی و مراجع

۱ Nasr Seyyed Hossein (1993) A Young Muslim's Guide to the Modern World Cambridge :Cambridge University Press p.156

۲ بیکن کے افکار کے مطالعہ کے لئے دیکھیے اس کی کتاب:

Bacon Francis (1863) Novum Organum Tr. James Spedding, Robert Leslie Ellis, and Douglas Denon Heath, Boston : laggard and Thompson [As available in online library http://www.constitution.org/bacon/textnote.htm]

۳ ڈیکارٹ کے خیالات کے لئے دیکھیے:

Descartes Rene (1983) Principles of Philosophy Trans. V. R. Miller and R. P. Miller. Dordrecht: D. Reidel

۴ تھامس ہوبس کے افکار کی تفصیل کے لئے دیکھیے اس کی کتاب:

Hobbes Thomas (2007) Leviathan online available at eBooks@Adelaide, http://etext.library. adelaide. edu.au/h/hobbes/thomas/h681/. updated Mon Mar 12 20:24:47 2007

۵ Electronic Library http://elab.eserver.org/hfl0242.html

٦ والٹیر کے خیالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

Voltaire Francois (1961) Philosophical Letters Translated by Ernest N. Dilworth, New York: Macmillan

۷ مانٹیسکیو کے نظریات کے لئے ملاحظہ کیجیے:

Montesquieu Baron de (1914), Secondat, Charles de, The

Spirit of Laws Tr. by Thomas Nugent, London : G. Bell & Sons [As available at http://www.constitution.org/cm/sol.htm]

۸۔ روسو کے تصورات کے لیئے دیکھیے :

Rosseau Jean-Jacques (2004) Emile Tr. By Barbara Foxley online available at http://www.gutenberg.org/etext/5427

۹۔ آدم اسمتھ کی معاشی فکر کے مطالعہ کے لئے دیکھئے اس کی کتاب:

Smith Adam (2007) An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations online available at http://metalibri.incubadora.fapesp.br/ portal/authors/ AnInquiryIntoTheNatureAndCausesOf TheWealthOfNations#books

۱۰۔ مارکسی فکر کے لئے کمیونسٹ مینی فیسٹو سب سے مستند سرچشمہ مانا جاتا ہے۔

Marxm Karl and Eagesl Frederick(2006) The Communist Manifesto available at http://www.anu.edu.au/polsci/marx/classics/manifesto.html

۱۱۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے :

Bauman, Zygmunt (2000) Liquid Modernity. Cambridge: Polity Press

۱۲۔ Lyotard, J.-F.(1984) The Postmodern Condition: A Report on Knowledge, Geoff Bennington and Brian Massumi (trans.), Minneapolis: University of Minnesota Press p.xxiv

۱۳۔ Anderson, Walter Truett (1995) The Truth About Truth: De-confusing and Re-constructing the

Postmodern World. New York: Penguin p 239-44.

۱۴ حوالہ سابق، ص ۱۱۱

۱۵ Lyotard, J.-F (1984) The Postmodern Condition: A Report on Knowledge, Geoff Bennington and Brian Massumi (trans.), Minneapolis: University of Minnesota Press p. 8

۱۶ حوالہ سابق p. xxiii

۱۷ Sardar, Ziauddin (1998) Postmodernism and the Other, the New Imperialism of Western Culture, London: Pluto Press p. 23

۱۸ Charles Upton (2001) The System of Antichrist Truth & Falsehood in Postmodernism & the New Age Sophia: Perennis p.45

۱۹ اس موضوع پر امام غزالی نے جو بحث کی ہے اس کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

Ghazali Abu Hamid Muhammad (2000) "The Incoherence of the Philosophers" (Tr. of Tahafatul Falasafa by Michael E. Marmura), Provo: Brigham Young University Press

۲۰ الغزالی، ابو حامد محمد (۱۹۶۵) معیارالعلم، تحقیق الدکتور سلیمان دنیا، قاہرہ: دارالمعارف، ص ۴۲-۶۰

۲۱ www.ghazali.org/site/dissert.htm

۲۲ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ (۲۰۰۷) دین حق، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۲۲

۲۳ اقبال، ڈاکٹر شیخ محمد (۲۰۰۱) کلیات اقبال، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۴۲۱

۲۴ حوالہ سابق صفحہ ۴۱۱

۲۵ ندوی، علامہ سید سلیمان (۱۹۹۱) سیرت النبی، جلد چہارم، لاہور: الفیصل ناشران کتب، ص ۸۴

۲۶ Sardar,Ziauddin

http://www.islamonline.net/english/Contemporary/2002/05/article20.shtml

۲۷ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ (۲۰۰۷) دین حق، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۱۰

۲۸ اقبال، ڈاکٹر شیخ محمد (۲۰۰۱) کلیات اقبال، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۴۱۰

۲۹ Stephens Mitchel (2007) We are all Postmodern Now, at journalism.nyu.edu/faculty/files/stephens- postmodern.pdf

۳۰ لادینیت کے خاتمہ کی بحث کے لئے دیکھیے ایک دلچسپ کتاب:

Peter L. Berger (1999) The Desecularization of the World, Resurgent Religion and World Politics; Michigan: William B. Eerdmans Publishing Co.

۳۱ Anderson Walter Truett (1991) Postmodern Politics in 'In Context'#30 (Reclaiming Politics) Fall/Winter 1991, Langley p.32

۳۲ گوپی چند نارنگ، (۲۰۰۴) ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص ۵۳۰

۳۳ http://www.gettysburgsem.org/mhoffman/ other/pomoevangelism.htm

۳۴ Lyotard, J.-F.(1984) The Postmodern Condition: A Report on Knowledge, Geoff Bennington and Brian Massumi (trans.), Minneapolis: University of Minnesota Press p. 9-11

۳۵ گوپی چند نارنگ، حوالہ سابق